متنبّی کی شاعری کے اخلاقی پہلو

ڈاکٹر محمد اویس سرور
اسسٹنٹ پروفیسر عربی
گورنمنٹ اسلامیہ کالج لاہور کینٹ، لاہور

TRACES OF MORALITY IN MUTANABBI'S VERSE

Awais Sarwar, PhD
Assistant Professor of Arabic
Govt. Islamia College Lahore Cantt. Lahore

Abstract

Abu Tayyeb al-Mutanabbi is one of the most prominent and influential poets of the Arabic language. Undoubtedly, he is a genius and a great master of Arabic verse. His poetry is remarkable for its originality and ingenuity of construction. He is marvelously sharp and skillful litterateur who managed to join the antithesis and dexterity together in order to convince the readers and keeps his spirit always alive. Among the topics his poetry covers are courage, philosophy of life, chastity, hospitality, self esteem and contentment. The article traces moral aspects in his poetry.

Keywords:
اخفش، متنبّی، عربی زبان وادب، اخلاق، شاعری، کوفہ، عربی شاعری، دیوان المتنبی

کوفہ کے ایک غریب گھرانے میں ۳۰۳ ہجری میں پیدا ہونے والے شاعر ابوطیب احمد بن حسین متنبّی کو عربی زبان کے اہم ترین شعرا میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس زمانے کے دوسرے ادیبوں اور شاعروں کی طرح متنبّی نے بھی گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا، مختلف شہروں کی خاک چھانی، نگرنگر اور بستی بستی گھوما۔ اپنے زمانے کے اہل علم سے استفادہ کیا اور حکمرانوں کی مجلس تک رسائی بھی پائی۔ متنبّی قلم و قرطاس کا سالار ہونے کے ساتھ ساتھ عمدہ تلوار باز، ماہر گھڑ سوار اور عسکری مہارتوں کا بھی حامل تھا۔ ۳۵۴ ہجری میں اکاون سال کی عمر میں ایک معرکے میں جان سے ہاتھ دھونے پڑے، لیکن اس کی شعری تخلیقات نے اسے حیاتِ جاوداں سے ہم کنار کر دیا۔(۱)

متنبّی نے اپنی زندگی کا خلاصہ گویا اس شعر میں سمو دیا ہے:

الخيل والليل والبيداء تعرفني والسيف والرمح والقرطاس والقلم(۲)

''گھوڑے، رات، گھنے جنگل، تلوار، نیزے، کاغذ اور قلم سب مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔''

متنبّی کو معانی کا شاعر کہا جاتا ہے۔ اس نے فلسفے کو شعری قالب میں ڈھالا اور الفاظ سے زیادہ معانی کا اہتمام کیا۔ متنبّی اپنے زمانے کا ایک جدت پسند شاعر تھا، اس نے شعر کو منجمد جکڑ بندیوں اور قدیم روایات کی قید سے آزاد کیا، اس نے شاعری کو جدّت وندرت کا لباس پہنایا، اسی لیے متنبّی کو ''إمام الطريقة الابتداعية'' (تجدیدِ شعر کا امام) کہا جاتا ہے۔ (۳) یہی وجہ ہے کہ متنبّی کے بعد کی عربی شاعری میں متنبّی کے اثرات دیکھے جا سکتے ہیں، نیز اردو اور دوسری زبانوں پر بھی متنبّی کے طرزِ سخن اور اسلوبِ کلام نے اثر ڈالا ہے۔

متنبّی کے حالات اور شاعری کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ عہدِ عباسی کے دوسرے شعرا کی طرح اسے قرآن مجید کے ساتھ بھی شغف تھا اور اس نے قرآن مجید کا کچھ حصہ یاد بھی کیا تھا۔ اس کی جھلک اس کی شاعری میں نظر آتی ہے۔ وہ مختلف علمی مناقشات میں اور اپنے شاگردوں کے سامنے قرآنی آیات کا حوالہ دیا کرتا تھا۔ (۴)

تاریخ نگاروں نے متنبّی کو ایک باکردار شخص اور علم دوست شاعر قرار دیا ہے۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے ادب، لغت، فلسفہ اور منطق کی جو کتاب میسر آئی اس نے اس کا مطالعہ کیا، اپنے زمانے کے اکابر علما جیسے زجاج، ابن سراج، اخفش، ابن درید، ابوعلی فارسی اور ابن جنی وغیرہ سے استفادہ کیا۔ (۵)

متنبّی اپنے زمانے کے بہت سے شعرا اور ادبا کے برعکس شراب نوشی سے دور رہتا تھا۔ وہ ادبی، علمی اور شاہی محافل میں وقار کا دامن تھامے رکھتا، علمی تحقیق میں خود کو سرگرداں رکھتا، زمانے کے حالات پر گہری نظر رکھتا اور واقعات پر غور و فکر کرتا رہتا تھا۔ (۶)

متنبّی کی کتاب دوستی اور علم لغت میں اس کے کمالِ دسترس اور یدِ طولیٰ کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا جسے ابن خلکان نے نقل کیا:

''ایک مرتبہ شیخ ابوعلی فارسی (صاحب الإيضاح والتكملة) نے متنبّی سے پوچھا: عربی میں

فِـعـلـیٰ کے وزن پر جمع کے کتنے الفاظ آتے ہیں؟ متنبّی نے کہا: صرف دو: حِـجـلـیٰ اور ظِـربیٰ۔ شیخ ابوعلی کہتے ہیں کہ میں تین دن مسلسل لغت کی کتابیں کھنگالتا رہا کہ مجھے ان دو کے علاوہ کوئی تیسرا لفظ مل جائے، لیکن نہیں ملا۔'' (۷)

متنبّی کی شاعری میں اس کی شخصیت بہت نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے، اپنی رائے پر اس کا اعتماد اور اس کے سماجی نظریات کی ابدیت و عالمگیریت اس کی شاعری کے اہم عناصر ہیں۔ وہ معاشرتی طرزِ عمل، حقائق وجود اور زندگی و موت کے بارے میں جن آرا و خیالات کا اظہار کرتا ہے وہ ہر زمان و مکان میں قابل قبول اور لائق تحسین ہیں۔ وہ اپنے ہر قصیدے میں تشبیہات اور تمثیلات کے نئے نئے ذخیرے پیش کرتا ہے، اس کی قوتِ تخیل بات کے ایسے ایسے پہلو نکالتی ہے کہ اس کا ہر قصیدہ انفرادیت اور امتیاز کا شاہکار بن جاتا ہے۔

اخلاقی شاعری یا حکیمانہ شاعری متنبّی سے پہلے بھی موجود رہی ہے۔ اس کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ عربی شاعری کی، ہم دیکھتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت کے شعرا بھی اپنے اشعار میں محدود پیمانے پر ہی سہی لیکن اخلاقی مضامین کا تذکرہ کرتے نظر آتے ہیں۔ زہیر بن ابی سلمی، لبید بن ربیعہ اور طرفہ بن عبد جاہلی دور کے وہ شعرا ہیں جن کی شاعری میں بجا طور پر اخلاقی اور حکیمانہ مباحث ملتے ہیں۔ (۸) اسی طرح عہدِ نبوی اور بعد کے زمانوں کے شعرا کی شاعری اخلاقی اور اسلامی اقدار کا پرچم تھامے نظر آتی ہیں۔ حسان بن ثابت، عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن زہیر رضی اللہ عنہم عہدِ نبوی کے وہ شعرا ہیں جنھوں نے اپنی شاعری کو اعلیٰ اخلاقی اقدار کی ترویج کے لیے استعمال کیا۔ عہدِ اموی اور پھر عہدِ عباسی کے شعرا بھی اس طرز پر گامزن رہے کہ شعر وادب صرف لذتِ سماع، مدح وہجو، غزل وتشبیب، سیاسی ومعاشی مفاد تک محدود نہ رہیں بلکہ انھیں تعمیرِ اخلاق اور تہذیبِ سماج کے لیے بھی کام میں لایا جائے۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ متنبّی نے عقلی اور نقلی علوم سیکھے، منطق، فلسفہ اور لغت پر عبور حاصل کیا، دردِ دل کے ساتھ اپنے معاشرے اور سماج کا جائزہ لیا، امتِ مسلمہ کی زبوں حالی کو محسوس کیا، لہٰذا اس کی شاعری متنوع موضوعات کے ساتھ ساتھ حکیمانہ، ناصحانہ اور فلسفیانہ آرا کا مجموعہ بھی ہے۔ اس نے زندگی کو جن زاویوں سے دیکھا انھیں بھرپور طریقے سے بیان کیا، اہلِ زمانہ کے طرز پر تنقید ہو یا اربابِ اختیار کی تعریف، شجاعت وسخاوت کی تحسین ہو یا خودداری و وفاداری کا اظہار، ہر مضمون کو متنبّی اپنی قدرتِ کلامی کے ذریعہ انمول معانی کا زیور پہناتا نظر آتا ہے۔

اس مقالہ میں متنبّی کی شاعری میں موجود حکیمانہ مضامین اور اخلاقی مباحث کو سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

زمانے کی خرابیوں پر تنقید: اہلِ زمانہ کا شکوہ متنبّی کی شاعری کا اہم عنصر ہے۔ اپنے معاصرین سے اس کا شکوہ بے جا نہیں ہے، کیونکہ جب وہ اپنے گرد وپیش بدخواہوں اور حاسدین کی طرف سے مکر وفریب اور

سازشوں کے جال بنتے دیکھتا ہے تو تڑپ جاتا ہے اور اپنے اس تڑپنے کو اشعار کا جامہ پہناتا نظر آتا ہے۔ ایک حساس طبع شاعر بھلا کیسے اس منافقت، مکر اور فریب کے ماحول میں خاموش رہ سکتا ہے۔ متنبّی سمجھتا ہے کہ وہ ایک ایسے زمانے میں جی رہا ہے جس میں لوگوں سے خیر کی توقّع عبَث ہے، ان سے خیر خواہی اور بھلائی کی امید رکھنا تو درکنار، ان سے اگر آپ کو اذیت نہ پہنچے تو یہی ان کی مہربانی اور احسان ہے:

إنــا لــفــي زمــن تــرك الــقبيح بــه　　　مــن أكثـر الـنــاس إحسان وإجمال(۹)

''ہم ایسے زمانے میں زندہ ہیں جس میں اکثر لوگوں کا بدسلوکی کو ترک کر دینا احسان اور حسنِ سلوک کہلاتا ہے۔''

جب ہوس کو محبت کا نام دیا جائے اور دین داری کو جنسِ بازار بنا دیا جائے تو اہلِ زمانہ کا اخلاقی انحطاط کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ جس چیز کو اہلِ زمانہ ''محبت'' یا ''دینداری'' کہتے ہیں اس کا شکوہ کرتے ہوئے متنبّی کہتا ہے:

فــلــم أر ودهــم إلا خــداعــا　　　ولــم أر ديــنهــم إلا نـفـاقـا(۱۰)

''ان کی محبت دھوکہ ہے اور ان کا دین نفاق ہے۔''

وہ اہلِ زمانہ کا شکوہ کرتے ہوئے یہ بھی کہتا ہے:

أذمّ إلــى هــذا الــزمــان أهـلـيــه　　　فــأعـلـمهـم فـدم وأحزمهم وغد

وأكـرمهـم كـلـب وأبـصرهـم عم　　　وأسهـدهـم فهـد وأشـجعهم قرد

ومِن نكد الدنيا على الحر أن يرى　　　عـدوا لـه مـا من صداقته بد(۱۱)

''مجھے تو اس زمانے سے شکایتیں ہی شکایتیں ہیں، یہاں علم والے کو خبطی، عقل والے کو دیوانہ، معزز کو کتا، بصارت والے کو اندھا، بیدار مغز کو چیتا اور بہادر کو بندر کہا جاتا ہے۔ اس دنیا کی اس سے بڑی کم بختی کیا ہوگی کہ اس میں انسان اس شخص کو بھی اپنا دشمن سمجھتا ہے جس سے دوستی کرنا ضروری ہے۔''

متنبّی صرف اہلِ زمانہ کا ہی نہیں زمانے کا بھی شکوہ کرتا ہے، وہ زندگی کو ایک ''طوفان'' یا ''جبرِ مسلسل'' سمجھتا ہے، یہ مضمون اگرچہ اس کی شاعری کا مستقل حصہ ہے لیکن اس شعر کی جامعیت لاجواب ہے:

لأي صـروف الـدهـر فيــه نـعـاتـب　　　وأي رزايـاه بـوتـر نـطالب(۱۲)

''زمانے کی کس کس آفت کا ہم شکوہ کریں اور اس کے کس کس ظلم کا بدلہ طلب کریں!''

متنبّی زمانے کی روش کا سخت ناقد ہے، وہ سمجھتا ہے کہ ہماری زندگی میں ہمارے حالات ہمیشہ ہماری خواہش کے برخلاف ہوتے ہیں، جو ہم چاہتے ہیں نہیں ہوتا اور جو ہم نہیں چاہتے ہو جاتا ہے:

وأحسـب أنـي لـو هـويت فراقكم　　　لـفـارقتـه والـدهر أخبث صاحب(۱۳)

''میں سمجھتا ہوں کہ اگر میں نے تمھارے فراق کی خواہش کی ہوتی تو میں اس سے یعنی تمھارے فراق سے جدا رہتا (یعنی تمہارے قریب رہتا اور تمھارا وصال مجھے نصیب ہوتا) اور زمانہ بدترین ساتھی ہے۔''

یعنی میں نے زندگی بھر وصال کی دعا مانگی اس لیے ہمیشہ مقدر میں فراق رہا، اگر میں نے فراق کی دعا کی ہوتی تو یقیناً وصال نصیب ہو گیا ہوتا، کیونکہ زمانہ میری مرضی کے خلاف ہمیشہ کرتا ہے اس لیے مجھے فراق کے بجائے وصل حاصل ہوتا۔

زندگی اور زمانے سے اس کی شکایت نے اس کو اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے کہ اب وہ زندہ رہنے کی خواہش اور ارتقائے نسل کا قائل نہیں رہا:

وما الدهر أهل أن تؤمل عنده　　حياة وأن يشتاق فيه إلى النسل(١٤)

''زمانہ اس قابل نہیں کہ اس میں زندہ رہنے کی خواہش کی جائے یا نسل بڑھانے کی تمنا رکھی جائے۔''

متنبّی لوگوں کے ظاہر سے نہ متاثر ہوتا ہے اور نہ اسے حقیقت حال سمجھتا ہے، اس کی نظر میں ''ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ'' ہی زندگی کی حقیقت ہے:

فرب كئيب ليس تندى جفونه　　ورب ندي الجفن غير كئيب(١٥)

''بہت سے غمگین ایسے ہیں جن کی آنکھیں نم نہیں ہوتیں اور بہت سے نم آنکھوں والے غمگین نہیں ہوتے''

اس صورتِ حال میں متنبّی ٹکراؤ اور مزاحمت کے بجائے عملیت پسندی کا قائل بھی نظر آتا ہے، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ منافقت اور دغابازی کے زمانے میں لوگوں کے ساتھ اسی زبان میں بات کرنی چاہیے جو زبان وہ سمجھتے ہیں:

ولما صار ود الناس خبا　　جزيت على ابتسام بابتسام

وصرت أشك فيمن أصطفيه　　لعلمي أنه بعض الأنام(١٦)

''جب لوگوں کی محبت ایک دھوکہ بن گئی تو میں نے بھی مسکراہٹ کا بدلہ مسکراہٹ سے دینا سیکھ لیا۔ اگر میں نے زمانے میں کسی کا انتخاب کیا تو اس پر بھی مجھے شک ہی رہا کیونکہ میں جانتا تھا کہ بہر حال یہ بھی اس زمانے کے لوگوں میں سے ایک ہے۔''

زمانے اور اہل زمانہ کا شکوہ دراصل سماجی وشخصی طرز زندگی پر ایک چوٹ ہے۔ اہلِ قلم جب زندگی کا شکوہ کرتے ہیں تو دراصل وہ ظالم سماج، جور و جبر پر مبنی معاشرے، غیر منصفانہ معاشی تقسیم اور جابرانہ طرزِ حکمرانی کے خلاف علَمِ احتجاج بلند کر رہے ہوتے ہیں۔ یہی مزاحمت مظلوموں کے غموں کا مداویٰ بنتی ہے اور اہل جور کو گریبانوں میں جھانکنے پر مجبور کرتی ہے۔

موت وحیات کا فلسفہ: حیات وموت کی حقیقت، فلسفہ اور شاعر کا نقطہ نظر اہلِ علم وادب کے نزدیک ہمیشہ سے قابل توجہ رہا ہے۔ زندگی کیا ہے؟ موت کیا ہے؟ اس موضوع پر متنبّی نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، وہ مرثیہ نگاری میں اکثر اس موضوع پر اظہار خیال کرتا نظر آتا ہے، ایک موقع پر موت کے فوائد کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

ولا فضل فيها للشجاعة والندى　　وصبر الفتى لو لا لقاء شعوب(١٧)

''اگر موت نہ ہوتی تو دنیا میں بہادری، سخاوت اور میدان جنگ میں بہادر جوان کے ڈٹ جانے کی کوئی فضیلت نہ ہوتی۔''

مرزا غالب اس مضمون کو کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا(١٨)

گویا کہ اگر موت نہ ہوتی تو میدان جنگ میں ثابت قدم رہنا اور ڈٹ جانا کوئی مشکل نہ ہوتا، اور لوگوں کو اگر ہمیشہ باقی رہنے کا یقین ہوتا تو مال خرچ کرنے اور مانگنے والوں کی جھولیاں بھرنے کو فضیلت کی بات نہ سمجھا جاتا۔ دلیری اور شجاعت سے موت کا ڈر روکتا ہے، جبکہ انسان کی مال سے محبت کا ایک سبب زندگی کا چہار روزہ ہونا ہے، مال کے ذریعے انسان مختصر زندگی کو خوشگوار بنانا چاہتا ہے اور اس محدود مدت سے زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہونا چاہتا ہے اور اس کے لیے اسے مال کی ضرورت پڑتی ہے، اگر زندگی لامحدود ہوتی تو مال و زر کی محبت اس کے حواس پر طاری نہ ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ موت ہی وہ عنصر ہے جس نے سخاوت اور شجاعت کی اہمیت کا پتہ دیا ہے۔ موت کی حقیقت کے بارے میں کچھ یوں بھی خامہ فرسائی کی ہے:

تخالف الناس حتى لا اتفاق لهم　　إلا على شجب والخلف في الشجب
فقيل تخلص نفس المرء سالمة　　وقيل تشرك جسم المرء في العطب
ومن تفكر في الدنيا ومهجته　　أقامه الفكر بين العجز والتعب(١٩)

''لوگ اس قدر اختلاف کا شکار ہوئے کہ سوائے موت کے ان کے درمیان کسی چیز پر اتفاق نہیں ہے، موت پر اگر اتفاق ہوا بھی ہے تو موت کی حقیقت کے بارے میں پھر اختلاف کا شکار ہو گئے ہیں، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ موت کے وقت انسان کی روح سلامتی کے ساتھ جسم سے نکل جاتی ہے جبکہ بعض نے یہ کہا ہے کہ جسم کے ساتھ روح بھی ہلاک ہو جاتی ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ جو شخص دنیا اور اپنی زندگی کے بارے میں سوچ بچار کرے گا تو اس کا غور و فکر اسے لاچار کر دے گا اور تھکا دے گا لیکن حقیقت تک رسائی اس کے بس میں نہیں ہوگی۔''

محمد بن اسحاق تنوخی کی یاد میں متنبّی کے کہے گئے آخری مرثیہ کا شعر یہ ہے:

ألا إنما كانت وفاة محمد　　دليلا على أن ليس لله غالب(٢٠)

''محمد کی وفات اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔''

بظاہر تو یہ شعر محمد بن اسحاق تنوخی کے بارے میں ہے لیکن دیوان متنبّی کے محشی مولانا اعزاز علی صاحب نے لکھا ہے کہ یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں متنبّی کی مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور آپ ﷺ کا دنیا سے رخصت ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ اس دنیا میں کسی کا قیام بھی دائمی نہیں ہے اور ہر ایک نے اپنے اپنے وقت پر اس دنیا سے رخصت ہونا ہے، اللہ کی قدرت اور اس کے فیصلوں پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔(٢١)

کسی کو لمبی زندگی ملے یا مختصر، متنبّی کی نظر میں ان دونوں میں کوئی فرق نہیں، وہ زندگی کے مختصر ہونے اور اس کے پلک جھپکنے میں گزر جانے کو کچھ یوں بیان کرتا ہے:

كثير حياة المرء مثل قليلها　　　يزول وباقي عمره مثل ذاهب(۲۲)

''آدمی کی زیادہ عمر بھی تھوڑی عمر کی طرح ہے جس نے بہر حال ختم ہو جانا ہے اور انسان کی جو عمر باقی ہے وہ گزری ہوئی عمر کی طرح ہی ہے۔''

یہ شعر دراصل شجاعت پر ابھارنے اور بزدلی سے باز رہنے کی تلقین پر مشتمل ہے۔ جب انسان موت سے بچ نہیں سکتا تو پھر اس سے ڈرنے کی ضرورت کیا ہے!

اسی طرح وہ موت کی واقعیت سے بہادری کی اہمیت پر استدلال کرتے ہوئے کہتا ہے:

نحن بنو الموتى فما بالنا　　　نعاف ما لا بد من شربه(۲۳)

''ہم ان لوگوں کی اولاد ہیں جو دنیا سے چل بسے، تو ہم اس چیز کو کیوں ناپسند کرتے ہیں جس کا چکھنا ضروری ہے۔''

دنیا میں رہنے والوں کی حیثیت، مقام اور مرتبہ مختلف ہو سکتا ہے لیکن موت کے وقوع پذیر ہونے میں سب برابر ہیں، اس مضمون کو متنبّی کچھ یوں بیان کرتا ہے:

يموت راعي الضأن في جهله　　　ميتة جالينوس في طبه(۲٤)

''ایک چرواہا اپنی لاعلمی کے ساتھ دنیا سے یونہی رخصت ہوتا ہے جس طرح جالینوس علم طب میں کمال رکھنے کے ساتھ دنیا سے کوچ کرتا ہے۔''

یعنی دونوں کا مقام و مرتبہ اور علم و دانش مختلف ہیں لیکن دنیا سے دونوں کے رخصت ہونے اور ایک ہی طرح رخصت ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

متنبّی کے نزدیک جب کوئی شخص موت سے بچ جائے تو حقیقت میں وہ بچتا نہیں ہے، بلکہ اس کی موت کچھ دیر کے لیے مؤخر ہو جاتی ہے، کیونکہ بالآخر ایک دن تو اسے موت کی آغوش میں جانا ہی ہے۔ اس مضمون کو کچھ یوں بیان کرتا ہے:

وإن أسلم فما أبقى ولكن　　　سلمت من الحمام إلى الحمام(۲۵)

''اگر میں موت سے بچ بھی گیا تو ہمیشہ زندہ نہیں رہوں گا بلکہ موت سے بچ کر موت کے ہی سپرد ہو جاؤں گا۔''

دنیا ارمان طلبی کی جا نہیں ہے: متنبّی کے نزدیک اس دنیا کی زندگی میں انسان کی طلب اور اس کے ارمان پورے نہیں ہو سکتے، گویا ''کوچۂ تنگ ہے دنیا نہیں آرام کی جا'' یہاں ایک دکھ کے بعد دوسرا دکھ اور ایک منزل کے حصول کے بعد دوسری منزل کی طلب سامنے کھڑی ہوتی ہے:

وما قضى أحد منها لبانته ولا انتهى أرب إلا إلى أرب(٢٦)

''اس دنیا میں کسی نے اپنے ارمانوں کو پورا نہیں کیا، یہاں ایک حاجت پوری ہوتی ہے تو دوسری سامنے کھڑی ہوتی ہے۔''

اسی مضمون کو مرزا غالب نے اپنے ایک شہرۂ آفاق شعر میں کچھ یوں بیان کیا ہے:

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے میرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے(۲۷)

اس کے نزدیک اس دنیا میں انسان کی نہ تو خواہش پوری ہوتی ہے اور نہ ہی حالات اس کی مرضی کے مطابق رہتے ہیں:

ما كل ما يتمنى المرء يدركه تجري الرياح بما لا تشتهي السفن(٢٨)

''یہاں آدمی اپنی ہر تمنا کو حاصل نہیں کر پاتا اور ہوائیں کشتیوں کے ناپسندیدہ رخ پر ہی چلتی ہیں۔''

متنبّی کے نزدیک دنیا کی زندگی ایک طوفان ہے، یہاں مکمل راحت کا حاصل ہونا ممکن نہیں ہے۔ ''جسے کوئی بھی غم نہ ہو، یہاں غمگین وہ بھی ہے'':

لحا الله ذي الدنيا مناخا لراكب فكل بعيد الهم فيها معذب(٢٩)

''اس دنیا کا برا ہو، یہ ایک مسافر کی قیام گاہ ہی تو ہے، یہاں تو وہ شخص بھی مبتلائے عذاب ہے جسے کوئی پریشانی نہیں ہے۔''

جہدِ پیہم، کامیابی کی کنجی: متنبّی پر یہ حقیقت عیاں ہو چکی تھی کہ کامیابی محض باتوں سے حاصل نہیں کی جا سکتی، بلکہ یہ سعیِ مسلسل اور جہدِ پیہم کا نتیجہ ہے۔ اس کے لیے جی کو جلانا اور روح کو تڑپانا پڑتا ہے:

ولا تحسبن المجد زقا وقينة فما المجد إلا السيف والفتكة البكر(٣٠)

''شرف وعزت کو مشکیزۂ شراب اور گانے والی نہ سمجھو، شرف تلوار اور بے مثل کوشش وشجاعت سے حاصل ہوتا ہے۔''

اس کے نزدیک عظمت کا سہرا اسی کے سر پر باندھا جاتا ہے جو کچھ کر کے دکھانا جانتا ہے:

لا يدرك المجد إلا سيد فطن لما يشق على السادات فعال(٣١)

''عظمت اسی دانا سردار کا مقدر ہے جو اس وقت بھی عملِ پیہم کا روادار ہو جب سب سرداروں کے لیے کچھ کر کے دکھانا وبال بن جائے۔''

عقل ودانش کی اہمیت: سعی وکوشش اگر متنبّی کے نزدیک حصولِ رفعت کا بنیادی سبب ہے تو اس راستے کے مسافر کو جس زادِ راہ کی ضرورت ہے اس میں سب سے نمایاں مقام عقل مندی اور بہادری کا ہے، اس کے نزدیک عقل اور بہادری یعنی جوش اور ہوش دونوں کامیابی کے لیے لازم وملزوم ہیں:

الـــرأي قبـل شـجــاعة الشـجـعــان هـــو أول وهـــي الـمــحــل الثــانــي
فـإذا هـمـا اجتـمـعـا لـنـفـس مـرة بـلـغـت مـن الـعـلـيـاء كـل مـكـان
ولـــربـمـــا طـعــن الـفتـى أقــرانـــه بـــالـــرأي قبـل تـطــاعــن الأقــران
لـو لا الـعـقـول لـكــان أدنـى ضيـغـم أدنـى إلـى شـرف مـن الإنسـان(۳۲)

''دانش وبینش کا مرتبہ بہادروں کی بہادری سے پہلے ہے،ان کا درجہ پہلا اور بہادری کا دوسرا ہے۔ جب یہ دونوں خوبیاں کسی میں جمع ہو جائیں تو وہ سر بلندی کے ہر مقام کو پا سکتا ہے۔ بعض اوقات کوئی جوان اپنے ہم پلہ لوگوں سے نیزوں کے ساتھ لڑائی سے پہلے انھیں اپنی عقل مندی کا نیزہ مار دیتا ہے۔ اگر عقل ودانش کی اہمیت نہ ہوتی تو شیر کا بچہ بھی شرف وعزت میں انسان سے بہت آگے ہوتا۔''

علم دوستی اور کتاب سے محبت متنبّی کے فلسفۂ اخلاق کا اہم عنصر ہے، اس کا بھی ماننا ہے کہ ''کوئی رفیق نہیں ہے کتاب سے بہتر''اور وہ اسی خیال کو کچھ یوں آشکارا کرتا ہے:

أعـز مكــان فـي الـدنـى سـرج سـابـح وخـيـر جـلـيـس فـي الـزمان كتاب(۳۳)

''دنیا میں سب سے زیادہ عزت والی جگہ تیز رفتار گھوڑے کی پشت ہے اور زمانے میں سب سے بہترین ساتھی کتاب ہے۔''

سخاوت وفیاضی: متنبّی کے زمانے میں شاعری حصول مال ومنال کا اہم ذریعہ تھی، اس کے لیے اصحاب اقتدار کی مدح سرائی ایک اہم ہتھیار کے طور پر استعمال ہوتی تھی، یہی وجہ ہے کہ سخاوت وفیاضی متنبّی کے بیان کردہ ان اوصاف میں سے ہے جن کا ذکر کثرت کے ساتھ اس کی شاعری میں ملتا ہے، کافور کی مدح میں متنبّی کا یہ شعر ملاحظہ فرمایئے:

كـــأن كـــل سـؤال فـي مســـامـعـــه قـمـيـص يـوسـف فـي أجفان يعقوب(۳٤)

''مانگنے والے کا سوال اس کی سماعتوں کے لیے ایسے راحت بخش ہے جیسے یوسف علیہ السلام کا پیرہن یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں کے لیے فرحتِ جان تھا۔''

متنبّی کے نزدیک سخاوت کی انتہا یہ ہے کہ انسان کے جسم میں جو روح ہے وہ بھی اس کی اپنی نہ رہے، بلکہ وہ اسے بھی دوسروں پر لٹانے کے لیے تیار رہے:

يــا أيهــا الـمـجـدى عـلـيـه روحــه إذ ليـــس يـــأتـيــه لهـا استـجـداء(۳۵)

''اے وہ شخص جس کو اس کی روح بخش دی گئی ہے، اس لیے کہ اس کے پاس اس کی مانگ نہیں آئی ہے''

یعنی اس کی فیاضی کا یہ عالم ہے کہ سوال کرنے والا جس چیز کا مطالبہ کرتا ہے وہ اس کو دے دیتا ہے، اگر کوئی اس کی جان کا سوال کر دے تو اسے اس کو دینے میں بھی کوئی تامل نہیں ہوگا۔

سادگی: متنبّی کی نظر میں جو حسن فطرتی خوبصورتی، سادگی اور طبعی زینت میں ہے وہ مصنوعی بناؤ سنگھار کے ذریعے حاصل نہیں ہوسکتا، ایک مقام پر اس نے دیہات کی رہنے والی قدرتی حسن کی حامل عورتوں اور شہروں میں بسنے والی بناؤ سنگھار کا اہتمام کرنے والی عورتوں میں ایک تقابل کیا ہے، اس تقابل کا خلاصہ کچھ یوں پیش کرتا ہے:

حسن الحضارة مجلوب بتطرية وفي البداوة حسن غير مجلوب(۳٦)

''شہر میں بسنے والوں کا حسن مانگ پٹی کا مرہونِ منت ہے جبکہ دیہات میں بسنے والوں کا حسن مصنوعی نہیں ہے۔''

رازداری: رازداری اور دوسروں کے بھید کی حفاظت ایک اعلیٰ انسانی وصف ہے، متنبّی اس وصف کا اظہار بہت خوبصورتی کے ساتھ کرتا دکھائی دیتا ہے:

وللسر مني موضع لا يناله نديم ولا يفضي إليه شراب(۳۷)

''میرے پاس راز کے لیے ایسی جگہ ہے جس تک کسی ہم نشین کی رسائی نہیں اور شراب کا اثر بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔''

یعنی میرا کتنا ہی قریبی دوست کیوں نہ ہو وہ مجھے بہلا پھسلا کے مجھ سے راز نہیں اگلوا سکتا اور اگر میں نشہ میں مدہوش بھی ہو جاؤں تب بھی میں وہ راز نہیں اگل سکتا۔

محبت اور پاک دامنی: متنبّی محبت کو مال پر ترجیح دیتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ مال تو فنا ہو جاتا ہے لیکن محبت باقی رہتی ہے، وہ کہتا ہے:

إذا نلت منك الود فالمال هين وكل الذي فوق التراب تراب(۳۸)

''جب مجھے تیری محبت مل گئی تو مال معمولی چیز ہے، اور ہر وہ چیز جو مٹی کے اوپر ہے وہ مٹی ہے۔''

اور وہ محبت میں بھی ہوش مندی کا قائل ہے:

فإن قليل الحب بالعقل صالح وإن كثير الحب بالجهل فاسد(۳۹)

''دانش مندی کے ساتھ تھوڑی محبت بھی اچھی ہے اور بے عقلی کے ساتھ زیادہ محبت بھی بے کار ہے۔''

متنبّی عشق و محبت میں بھی پاک دامنی اور عفت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا، وہ عشق کو ہوس نہیں بننے دیتا، اسے اپنے اس اندازِ محبت پر فخر بھی ہے:

إذا كان الشباب السكر والشيب همًّا فالحياة هي الحمام(٤٠)

''اگر جوانی دیوانی ہو اور بڑھاپا پریشان ہو تو زندگی موت ہے۔''

اور وہ اسے اعلیٰ اخلاقی صفات کا نتیجہ سمجھتا ہے:

وترى المروة الفتوة والأبوة في كل مليحة ضراتها

هن الثلاث المانعاتي لذتي في خلوتي لا الخوف من تبعاتها(٤١)

''میری جواں مردی، انسانیت اور ذلت سے بچنے کی عادت کو ہر ملیح محبوبہ اپنی سوتن سمجھتی ہے۔ کیونکہ یہی تین صفات مجھے خلوت میں حصولِ لذت سے روکتی ہیں نہ کہ انجامِ بد کا خوف''

یعنی میں ان فواحش سے طبعی طور پر ہی متنفر ہوں نہ کہ کسی سزا کے خوف سے۔

خودداری اور وسعت ظرفی: متنبّی عزت، خودداری اور شان وشوکت کے ساتھ زندگی گزارنے کی دعوت دیتا ہے، خواہ اس زندگی میں کتنی ہی تکلیف اور مشقت کیوں نہ ہو، اس کے خیال میں اگر ذلت کے ساتھ کسی جنت نما ٹھکانے میں دائمی زندگی بھی میسر ہو تو کسی کام کی نہیں ہے:

فاطلب العز في لظى ودع الذل ولو كان في جنان الخلود(٤٢)

''اگر عزت کے ساتھ جہنم میں بھی رہنا پڑے تو رہ لے اور اگر دائمی جنتوں میں بھی ذلت والی زندگی ملے تو اسے قبول نہ کر۔''

وسعتِ دل وتوسع نظر متنبّی کے بیان کردہ اخلاقی اوصاف میں سے ہیں، وہ اس مضمون کو اس انداز میں بیان کرتا ہے:

شيم الليالي أن تشكك ناقتي صدري بها أفضى أم البيداء(٤٣)

''راتوں کی عادت ہے کہ وہ میری اونٹنی کو شک میں ڈال دیتی ہیں کہ میرا سینہ زیادہ کشادہ ہے یا وسیع وعریض بیابان''

اس مضمون کو مرزا غالب نے کچھ یوں بیان کیا ہے:

دلِ ہر قطرہ ہے سازِ ''أنا البحر''
ہم اس کے ہیں، ہمارا پوچھنا کیا(۴۴)

متنبّی ایسے شخص سے مدد لینے کا قائل نہیں ہے جو تیوری چڑھائے یا غرور ظاہر کرے:

وإن بذل الإنسان لي جود عابس جزيت بجود التارك المبتسم(٤٥)

''اگر کوئی شخص ماتھے پر شکن ڈال کر مجھ پر سخاوت کرے تو میں بدلے میں مسکراتے ہوئے اس کی دی ہوئی عطا کو چھوڑ کر سخاوت کرتا ہوں۔''

حلم وبردباری: تحمل، برداشت اور بردباری ان اعلیٰ انسانی اخلاق میں سے ہیں جن سے متصف ہونا انسان کے لیے ضروری ہے۔ متنبّی نے اپنی شاعری میں تحمل وبرداشت سے متصف ہونے پر زور بھی دیا ہے اور اس انسانی خلق کے خدوخال بھی واضح کیے ہیں، متنبّی کے نزدیک حلم وبردباری کی قیمت تب تک ہے جب تک ان سے متصف ہونا اعزاز اور شرف ہو، لیکن اگر یہ اوصاف بزدلی کے راستے پر گامزن کردیں تو ان کی قیمت نہیں رہتی، وہ کہتا ہے:

إنـي أصـاحـب حـلمي وهو بي كرم　　ولا أصاحب حلمي وهو بي جبن(٤٦)

''میں برداشت کواس وقت تک ساتھ رکھتا ہوں جب تک وہ شرف ہو، جب وہ بزدلی بن جائے تو میں اس کا ساتھ چھوڑ دیتا ہوں۔''

اسی مضمون کو کچھ یوں بھی بیان کرتا ہے:

مـن الـحـلم أن تستعمل الجهل دونه　　إذا اتسعت في الحلم طرق المظالم(٤٧)

''یہ بھی حلم ہے کہ جب برداشت کی وجہ سے تم پر ظلم کے راستے کھولے جانے لگیں تو تم برداشت کو چھوڑ کر عدم برداشت کا راستہ اختیار کرلو۔''

عام رجحان کے برعکس متنبّی اس بات کا قائل ہے کہ نوجوانی تحمل وبرداشت سے مانع نہیں ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ انسان کئی مزاجوں کے دشت دیکھے اور کئی رویوں کی خاک چھانے، پھر ہی اس میں تحمل پیدا ہو اور اس کے لہجے میں توازن آئے، بلکہ یہ ایک خداداد خوبی ہے:

فـمـا الـحـداثة عـن حـلـم بـمـانعة　　قد يوجد الحلم في الشبان والشيب(٤٨)

''نوجوانی بردباری سے مانع نہیں ہے، بردباری جوان اور بوڑھوں دونوں میں پائی جاسکتی ہے۔''

متنبّی دوستوں کو برداشت اور صبر کے ذریعے زیر کرنے کا قائل نظر آتا ہے:

وأحـلـم عـن خـلـي وأعـلـم أنـه　　متى أجزه حـلما على الجهل يندم(٤٩)

''میں اپنے دوست کی سختی کے باوجود اس سے درگزر کرنے کا قائل ہوں، کیونکہ جب میں اس کی سختی کا بدلہ نرمی سے دوں گا تو وہ شرمندہ ہوگا۔''

متنبّی خطا کار کے ساتھ نرمی کا قائل ہے، کیونکہ اس کے نزدیک نرمی اور تسامح بھی سزا کی ہی ایک شکل ہے:

تـرفـق أيهـا الـمـولـى عـليهـم　　فـإن الـرفـق بـالـجـاني عتـاب(٥٠)

''اے آقا! ان کے ساتھ نرمی کر، کیونکہ بعض اوقات نرمی مجرم کے لیے سزا کا درجہ رکھتی ہے۔''

حکیمانہ باتیں: متنبّی کی شاعری جہاں تشبیہات، استعارات اور تمثیلات کا ایک نادر مجموعہ ہے تو دوسری طرف اس کی شاعری میں حکمت ودانائی سے لبریز ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جن کی صداقت عالمگیر حیثیت کی حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ متنبّی کی شاعری نہ صرف ہر زمان میں مقبول رہی بلکہ اس کا دنیا کی جس زبان میں ترجمہ ہوا اسے سندِ قبولیت عطا ہوئی۔

متنبّی کے خیال میں کریم (اعلیٰ شخص) اور لئیم (ادنی شخص) میں فرق یہ ہے کہ جب کسی کریم پر احسان کیا جاتا ہے تو وہ احسان مند بن جاتا ہے اور احسان کرنے والے کو اپنا محسن سمجھتا ہے لیکن جب کسی لئیم پر احسان کیا جاتا ہے تو وہ بدتمیزی پر اتر آتا ہے:

إذا أنــت أكــرمــت الـكــريــم ملكتــه   وإن أنــت أكــرمــت الـلئيم تمردا(٥١)

''جب تو کسی کریم پر احسان کرے گا تو وہ تیرا غلام بن جائے گا اور جب تو کسی لئیم پر احسان کرے گا تو وہ بدتمیز بن جائے گا۔''

متنبّی کے نزدیک اگر آپ اپنی منزل کو غیر معمولی بنائیں اور جب اس کی طرف گامزن ہو جائیں تو پھر کسی مشکل کی پرواہ نہ کریں ''منزل ہزار سخت ہو، ہمت نہ ہاریے'':

إذا غـــامـــرت فـــي شـــرف مـــروم   فـلا تـقـنـع بـمـــا دون الـنـجـوم

فـطـعـم الـمـوت فـي أمـر حـقيـر   كـطـعـم الـمـوت في أمـر عظيم(٥٢)

''جب تم کسی مقام کو اپنی منزل بنانے لگو تو ستاروں سے کم پر راضی نہ ہونا۔ کسی معمولی چیز کی خاطر موت کا مزا ویسا ہی ہے جیسے کسی عظیم چیز کی خاطر''

خواہشات کا حد سے بڑھ جانا انسان کو تباہ کر دیتا ہے، نہ لامحدود خواہشات اپنے انجام کو پہنچتی ہیں نہ انسان کے جسم و روح کو سکون ملتا ہے، اس لیے انسان کو ہمیشہ چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے چاہئیں:

وإذا كـــانـــت الـــنـــفـــوس كـبـــارا   تـعـبـت فـي مـرادهـا الأجسام(٥٣)

''جب نفس کی خواہشات بھاری بھر کم ہو جائیں تو جسم انھیں حاصل کرنے سے عاجز آ جاتے ہیں۔''

متنبّی کی نظر میں عہدے، منصب یا اقتدار کا مل جانا کمال کی بات نہیں ہے، انسان کا کمال اس کے کردار، شخصیت اور اس کے علم میں چھپا ہوا ہے:

إذا لـم تـكـن نـفـس النسيب كأصلـه   فـما ذا الذي يغنى كرام المناصب(٥٤)

''جب انسان کی ذات اس کے آباواجداد کی طرح اعلیٰ نہ ہو تو بڑے عہدوں کا ملنا کیا فائدہ دے سکتا ہے!''

متنبّی کے نزدیک اگر آپ بلندی کے راہی ہیں تو اس بات سے مت گھبرائیں کہ آپ کے ساتھ کتنے لوگ شریکِ سفر ہیں، کیونکہ جب آپ کی منزل بڑی اور بعید ہو تو آپ کا ساتھ دینے والے کم ہو جاتے ہیں:

وحيـد مـن الـخـلان فـي كـل بـلـدة   إذا عـظـم الـمـطلوب قل المساعد(٥٥)

''میں جس شہر میں بھی گیا دوستوں میں اکیلا رہا کیونکہ جب منزل عظیم ہو تو ساتھ دینے والے تھوڑے ہوتے ہیں۔''

متنبّی کے نزدیک اس دنیا کے دستور بہت نرالے ہیں، یہاں دن بھی عجیب طریقے پر گزرتے ہیں، بہت سے حالات جو کچھ لوگوں کے لیے نقصان اور مصیبت کا باعث ہوتے ہیں کچھ لوگوں کے لیے ان میں فائدہ برآمد ہو رہا ہوتا ہے:

بــذا قــضــت الأيــام مــا بيــن أهــلهــا   مــصــائــب قــوم عــنــد قــوم فوائد(٥٦)

''یہاں تو دن ایسے ہی گزرتے ہیں، کچھ لوگوں کی مصیبتیں دوسرے لوگوں کے لیے نفع کا باعث ہوتی ہیں۔''

خلاصہ کلام

متنبّی بلاشبہ عربی شاعری کا بے تاج بادشاہ ہے۔اس کی فکرِ رسا اور تخیل کی بلند پروازی نے تشبیہات وتمثیلات اور خوب صورت استعارات کے ایسے زندہ جاوید شاہکار پیش کیے ہیں جو آج ایوان شعر کی آرائش وزیبائش کے بنیادی عنصر قرار پائے ہیں اور اردو وفارسی کی دنیا میں سکہ رائج الوقت ہیں۔آج بھی ان میں وہی تازگی اور شادابی ہے جو آج سے گیارہ سو سال پہلے تھی۔متنبّی کی سیکڑوں تشبیہات اور تمثیلات فارسی اور اردو میں منتقل ہوئی ہیں۔

متنبّی کا کلام صرف شعری اصناف کا ہی مایہ ناز ذخیرہ نہیں بلکہ اس کے معانی، افکار اور خیالات کی بلندی بھی اپنی مثال آپ ہے۔متنبّی نے زندگی کے وہ گوشے آشکارا کیے ہیں جو انسان کو حقیقت آشنا بناتے ہیں۔اس کی شاعری کے اخلاقی پہلو یقیناً اس قدر اور اس قابل ہیں کہ ان سے استفادہ کیا جائے اور انھیں دل کے کسی گوشے میں جگہ دی جائے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) الثعـالبي، أبو منصور عبد الملك محمد بن إسماعيل: يتيمة الدهر في محاسن أهل العصر، بيروت: دار الكتب العلمية، ۱۹۷۹ء، ج۱،ص۱۶۱

(۲) المتنبي: ديوان المتنبي، بيروت: دار بيروت للطباعة والنشر، ص۳۳۲

(۳) أحمد حسن الزيات: تاريخ الأدب العربي، القاهرة: دار نهضة مصر للطبع والنشر۔ ص۳۰۰

(۴) الثـعـالبـي، أبـو مـنـصور عبد الملك محمد بن إسماعيل: يتمية الدهر في محاسن أهل العصر، ج۱، ص۱۶۲

(۵) المقدسي، أنيس: أمراء الشعر العربي، بيروت: دار العلم للملايين، ۱۹۸۱ء،ص۳۲۸

(۶) شاكر، محمود محمد: المتنبي، القاهرة: طبعة المدني، ۱۹۸۶ء،ج۱،ص۱۱۶

(۷) ابـن خلكان، شمس الدين أحمد بن محمد بن أبي بكر: وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان، بيروت: دار صادر، ۱۹۸۶ء۔ج۱۔ص۱۲۰

(۸) تفصیل کے لیے دیکھئے: الزوزني، أبو عبدالله الحسين بن أحمد: شرح المعلقات السبع، بيروت: دار اليقظة العربية للتأليف والترجمة والنشر، ۱۹۶۹ء، ص۱۸۱

(۹) المتنبي: ديوان المتنبي، بيروت: دار بيروت للطباعة والنشر، ص۴۹۰

(۱۰) المتنبي: ديوان المتنبي، بيروت: دار بيروت للطباعة والنشر، ص۲۹۲

(۱۱) المتنبي: ديوان المتنبي، مكتبة البشرى، ص۲۳۴

(۱۲) ایضاً، ص۷۷

(۱۳) ایضاً، ص۱۰٦

(۱۴) المتنبي: ديوان المتنبي، بيروت: دار بيروت للطباعة والنشر، ص۲۸۱

(۱۵) المتنبي: ديوان المتنبي، مكتبة البشرى، ص۴۱

(۱٦) المتنبي: ديوان المتنبي، بيروت: دار بيروت للطباعة والنشر، ص۴۸۳

(۱۷) المتنبي: ديوان المتنبي، مكتبة البشرى، ص۳۸

(۱۸) میرزا غالب: دیوان غالب، ص۲٦

(۱۹) المتنبي: ديوان المتنبي، مكتبة البشرى، ص٦۸

(۲۰) ایضاً، ص۷۸

(۲۱) إعزاز علي: حاشية ديوان المتنبي، كراتشي: مكتبة البشرى، ص۷۸، ونصه: "ويحتمل أن يكون المراد منه علمه صلى الله عليه وسلم فالمعنى: إنما كانت وفاة محمد صلى الله عليه وسلم دليلا على أن لا غالب على الله جل مجده"

(۲۲) المتنبي: ديوان المتنبي، مكتبة البشرى، ص۱۰۸

(۲۳) ایضاً، ص۱۴۷ (۲۴) ایضاً، ص۱۴۸

(۲۵) المتنبي: ديوان المتنبي، بيروت: دار بيروت للطباعة والنشر، ص۴۸۵

(۲٦) المتنبي: ديوان المتنبي، مكتبة البشرى، ص٦۸

(۲۷) میرزا غالب: دیوان غالب، لاہور: مکتبۂ علم وفن، ص۱۴۰

(۲۸) المتنبي: ديوان المتنبي، بيروت: دار بيروت للطباعة والنشر، ص۴۷۲

(۲۹) المتنبي: ديوان المتنبي، مكتبة البشرى، ص۱۲۷

(۳۰) المتنبي: ديوان المتنبي، بيروت: دار بيروت للطباعة والنشر، ص۱۸۹

(۳۱) ایضاً، ص۴۸٦ (۳۲) ایضاً، ص۴۱۴ (۳۳) ایضاً، ص۴۷۹

(۳۴) المتنبی: دیوان المتنبی، مکتبة البشری، ص۱۲۱

(۳۵) ایضاً، ص۱۸ (۳۶) ایضاً، ص۱۱۷

(۳۷) المتنبي: ديوان المتنبي، بيروت: دار بيروت للطباعة والنشر، ص۴۷۹

(۳۸) المتنبی: دیوان المتنبی، مکتبة البشری، ص۱۴۰

(۳۹) ایضاً،ص۱۱۷

(۴۰) المتنبي: ديوان المتنبي، بيروت: دار بيروت للطباعة والنشر، ص۱۰۲

(۴۱) ایضاً، ص۱۸۶

(۴۲) المتنبی: دیوان المتنبی، مکتبة البشری، ص۲۰۸

(۴۳) ایضاً، ص۱۴

(۴۴) میرزا غالب: دیوان غالب، لاہور: مکتبہ علم وفن، جنوری ۲۰۰۰ء، ص۲۶

(۴۵) المتنبي: ديوان المتنبي، بيروت: دار بيروت للطباعة والنشر، ص۴۶۰

(۴۶) ایضاً، ص۴۷۲ (۴۷) ایضاً، ص۲۱۰

(۴۸) ایضاً،ص۴۵۰ (۴۹) ایضاً، ص۴۶۰

(۵۰) المتنبی: دیوان المتنبی، مکتبة البشری، ص۵۸

(۵۱) ایضاً، ص۱۶۴

(۵۲) المتنبي: ديوان المتنبي، بيروت: دار بيروت للطباعة والنشر، ص۲۳۲

(۵۳) ایضاً، ص۲۶۱

(۵۴) المتنبی: دیوان المتنبی، مکتبة البشری،ص۱۱۲

(۵۵) ایضاً، ص۱۸۲

(۵۶) المتنبي: ديوان المتنبي، بيروت: دار بيروت للطباعة والنشر، ص۲۶۱